حسن مجتبیٰ

از
سید العلماء جناب مولانا
سید علی نقی صاحب قبلہ
قیمت دو آنے ۲/
محصول ڈاک تین پیسے

تعارف

آئمہ معصومین کی سوانح عمریوں کا جو سلسلہ مشن نے شائع کرنا شروع کیا ہے
یہ رسالہ حسنِ مجتبیٰ، اسی کی پانچویں کڑی ہے، جس میں ہمارے اور آپ کے دوسرے
امام حضرت حسن علیہ السلام کی مقدس زندگی کے حالات ہیں۔ اصولاً اس سوانح عمری کو دوسرے
نمبر پر شائع ہونا چاہیے تھا مگر بعض ناگزیر حالات کی بنا پر یہ ترتیب سے شائع نہیں کی جا سکیں۔
مشن کے خدمات کے ساتھ ساتھ معزز و محترم افراد ملت کا بھی فرض مذہبی
ہونا چاہیے کہ وہ ان سوانح عمریوں کو کثیر تعداد میں خرید فرما کر اپنے یہاں کی مجلسوں میں
تبرک کی جگہ پر تقسیم فرمائیں۔ اس سے ایک طرف آپ کے مشن کو مزید خدمت مذہبی کا
موقع ملے گا، تو دوسری طرف آپ اشاعت دین کا ثواب حاصل فرمائیں گے۔ لوگوں کی
معلومات دینی میں اضافے کا سبب بننا کیا کم کار ثواب ہے۔

ہم اس سلسلے میں سید العلماء جناب مولانا مولوی علی نقی صاحب قبلہ
مدظلہ کے بیحد احسان مند ہیں کہ باوجود کثرت مشاغل جناب قبلہ نے ان سوانح عمریوں
کی تصنیف و تالیف کا وعدہ فرما لیا ہے۔

خادم مشن
سید آفاق حسین رضوی آنریری سکریٹری
۲۴ ستمبر سنہ ۴۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسانی زندگی کو اپنے راستے میں طرح طرح کے نرم اور گرم حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور ہر طرح کے حالات میں اپنے فرض کا محسوس کرنا، چاہے وہ دلی خواہشوں اور طبیعت کے حوصلوں پر کتنا ہی بار ہو۔ یہی انسانیت کی روح اور اخلاق کی جان ہے اور اس کے لیے ایسے رہنماؤں کی سیرت زندگی کے مطالعہ کی ضرورت ہے جنہیں اپنے نفس پر قابو حاصل تھا اور جو ہر موقع پر جذبات سے نہیں بلکہ فرائض کے احساس سے کام لیتے تھے اور جنہوں نے دنیا کے سامنے ضبط و صبر تحمل اور ایثار کے بہترین نمونے پیش کئے ہیں۔

آل محمد علیہم السلام میں یکے بعد دیگرے جو امام ہوتے رہے ان سب کی مجموعی سیرت ایک جامع انسانیت اور اخلاق کی کتاب ہے جس میں کہیں شجاعت کے مظاہرات ہیں۔ کہیں علم کے۔ کہیں سخاوت کے کارنامے ہیں۔ کہیں ایثار کے۔ کہیں حکمت کے نمونے ہیں۔ کہیں علم و معرفت کے۔ چونکہ ان حضرات کو حالات زمانہ یکساں نہیں ملے تھے بلکہ زمانہ کی کج رفتاری اور انقلابی چال سے ان کو مختلف حالات سے سابقہ پڑا اور ہر حالت کے موافق ان کو بہترین طرز عمل اختیار کرنا پڑا اس لیے نوع انسانی کی بہتری کے لیے ان میں سے ہر فرد کے حالات زندگی کا مطالعہ لازم ہو گیا کہ بغیر اس کے مطالعہ کے انسانیت کا کوئی ایک گوشہ تشنہ ہدایت رہ جاتا ہے اسی لیے یہ سلسلہ حالات ائمہ کا پیش کیا جا رہا ہے اور یہ اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔ جس میں دوسرے امام حضرت امام حسن علیہ السلام کے حالات درج کئے جاتے ہیں۔

نام ونسب

حسنؑ نام، مجتبیٰ لقب اور ابو محمد کنیت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معزز بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ کے بطن سے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے بڑے فرزند تھے۔

ولادت

۱۵ رماہ رمضان المبارک کو ہجرت کے تیسرے سال آپ کی ولادت ہوئی۔ رسولؐ کے گھر میں آپ کی پیدائش اپنی نوعیت کی پہلی خوشی تھی جب کہ مکہ معظمہ میں رسولؐ کے بیٹے یکے بعد دیگرے دنیا سے جاتے رہے اور سوائے لڑکی کے آپ کی اولاد میں کوئی نہ رہا تو مشرکین طعنے دینے لگے اور آپ کو معاذ اللہ ابتر یعنی مقطوع النسل کہنے لگے۔ اس سے آپ کو بڑا صدمہ پہنچا اور آپ کی تسلی کے لیے قرآن مجید میں سورۂ کوثر نازل ہوا جس میں آپ کو خوشخبری دی گئی کہ خدا نے آپ کو کثرت اولاد عطا فرمائی ہے اور مقطوع النسل آپ نہیں بلکہ آپ کا دشمن ہوگا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی مدینہ میں آنے کے تیسرے ہی سال پیدائش گویا سورۂ کوثر کی پہلی تفسیر تھی۔ دنیا جانتی ہے کہ یہ ہی امام حسنؑ اور ان کے چھوٹے بھائی امام حسین علیہ السلام کے ذریعہ سے اولاد رسولؐ کی وہ کثرت ہوئی کہ باوجود ان دشمنوں کے جو ہمیشہ ہی وقت سے اس خاندان کے ختم کرنے کی کوشش میں رہے جن میں ہزاروں کو سولی پر دیے گئے، ہزاروں تلوار سے قتل کیے گئے اور ہزاروں کو زندہ دبا دیا گیا اس کے باوجود آج دنیا آل رسولؐ کی نسل سے بھری ہوئی ہے۔ عالم کا کوئی گوشہ مشکل سے ایسا ہوگا جہاں اس خاندان کے افراد موجود نہ ہوں جبکہ رسولؐ کے دشمن جن کی اس وقت کثرت سے اولاد موجود تھی ایسے نیست و نابود ہوئے کہ نام و نشان بھی ان کا کہیں نظر نہیں آتا۔ یہ ہے قرآن کی سچائی اور رسولؐ کی صداقت کا زندہ ثبوت جو دنیا کی آنکھوں کے سامنے ہمیشہ کے لیے موجود ہے اور اس لیے امام حسن علیہ السلام

قدرت نے طہارت و عصمت کا لباس پہنا کر بھیجا تھا۔ ایک طرف آئینے اتنے صاف
اُس پر رسولؐ کے ہاتھ کی جلا، نتیجہ یہ تھا کہ بچے کمسنی ہی میں نانا کے اخلاق و اوصاف
کی تصویر بن گئے۔ خود حضرت نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ حسنؑ میں میرا
رعب داب اور شانِ سرداری ہے اور حسینؑ میں میری سخاوت اور میری جرات ہے
شانِ سرداری گو مختصر لفظ ہے مگر اس میں بہت سے اوصافِ کمال کی جھلک نظر
آرہی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف صورتوں سے رسولؐ نے اپنے مشن کے کام
میں ان کو اسی بچپن کے عالم میں شریک بھی کیا جس سے یہ ثابت ہوا کہ پیغمبرؐ اپنے بعد
خلافت اسلام کی مہم کو اپنے انہی اہلبیت کے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا ایک
موقع مباہلہ کے میدان میں تھا۔ جہاں حضرت امام حسنؑ بھی اپنے نانا کے ساتھ
ساتھ تھے۔

۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی
وفات ہوگئی اور امام حسن علیہ السلام اس مسرت اور اطمینان کی زندگی سے محروم
ہوئے۔ نانا کی وفات کے تھوڑے ہی دن کے بعد امام حسنؑ کو اپنی مادرِ گرامی حضرت
فاطمہ زہراؑ کی وفات کا صدمہ اٹھانا پڑا۔ اب حسنؑ کے لئے گہوارۂ تربیت اپنے مقدس
باپ حضرت علی ابن ابی طالب کی ذات تھی۔ حسنؑ اسی مدرسہ میں جوانی کی حدوں تک
پہنچے اور کمالِ شباب کی منزلیں کو طے کیا۔ پچیس برس کی خانہ نشینی کے بعد جب حضرت
علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو مسلمانوں نے خلیفۂ ظاہری کی حیثیت سے تسلیم کیا اور
اس کے بعد جمل، صفین اور نہروان کی لڑائیاں ہوئیں تو ہر ایک جہاد میں حسنؑ اپنے
والد بزرگوار کے ساتھ ساتھ تھے۔ بلکہ بعض موقعوں پر جنگ میں آپ نے کارنمایاں
بھی دکھلائے۔

خلافت ۲۱ ماہ رمضان سنہ ۴۰ھ میں حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام

کی وفات ہوئی۔ اس وقت تمام مسلمانوں نے مل کر حضرت امام حسن علیہ السلام کی خلافت
تسلیم کی۔ آپ پر اپنے والد بزرگوار کی شہادت کا بڑا اثر تھا۔ سب سے پہلا خطبہ جو آپ نے
ارشاد فرمایا اس میں حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے فضائل و مناقب تفصیل کے ساتھ
بیان کئے۔ جناب امیرؑ کی سیرت اور مال دنیا سے پرہیز کا تذکرہ کیا۔ اس وقت آپ کے
گریہ کا اتنا غلبہ ہوا کہ گلے میں پھندا پڑ گیا اور تمام لوگ بھی آپ کے ساتھ بے اختیارانہ
رونے لگے۔ پھر آپ نے اپنے ذاتی اور خاندانی فضائل بیان کئے۔ عبد اللہ ابن
عباس نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور لوگوں کو بیعت کی دعوت دی۔ سب نے انتہائی خوشی
اور رضامندی کے ساتھ بیعت کی۔ آپ نے مستقبل کے حالات کا صحیح اندازہ کرتے
ہوئے اسی وقت لوگوں سے صاف صاف یہ شرط کر دی کہ "اگر میں صلح کروں تو تم کو صلح
کرنا ہوگی اور اگر میں جنگ کروں تو تمہیں میرے ساتھ مل کر جنگ کرنا ہوگی۔ سب نے اس
شرط کو قبول کر لیا۔ آپ نے انتظام حکومت اپنے ہاتھ میں لیا۔ اطراف میں عمال مقرر کئے۔
حکام معین کئے اور مقدمات کے فیصلے کرنے لگے۔

یہ وقت وہ تھا کہ دمشق میں امیر شام معاویہ کا تخت سلطنت پر قبضہ مضبوط
ہو چکا تھا۔ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے ساتھ صفین میں جو لڑائیاں امیر شام کی ہوئی
تھیں ان کا نتیجہ تحکیم کی سازشانہ کارروائی کی بدولت امیر شام کے موافق نکل چکا تھا۔
اور پھر حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی سلطنت کے اندر جہاں اب حضرت امام حسنؑ حکمران ہوئے
تھے باہمی تفرقے اور بددلی پیدا ہو چکی تھی۔ خود جناب امیرؑ کے احکام کی تعمیل میں جس طرح
کوتاہیاں کی جاتی تھیں وہ حضرت کے آخر عمر کے خطبوں سے ظاہر ہے۔ خوارج نہروان
کا فتنہ مستقل طور پر بے اطمینانی کا باعث بنا ہوا تھا جن کی اجتماعی طاقت کو اگرچہ نہروان
میں شکست ہو گئی تھی مگر ان کے منتشر افراد اب بھی ملک کے امن امان کو صدمہ پہنچانے
پر تلے ہوئے تھے، یہاں تک کہ بظاہر اسی جماعت کا ایک شخص تھا جس نے حضرت امیرؑ

کے سر پر مسجد میں ضرب لگائی۔ اور جس کے صدمہ سے آپ کی وفات ہوئی تھی۔

ابھی ملک حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے غم میں سوگوار تھا اور حضرت امام حسنؑ پورے طور پر انتظامات بھی نہ کر چکے تھے کہ امیر شام کی طرف سے آپ کی مملکت میں ریشہ دوانیاں شروع ہو گئیں اور ان کے خفیہ کارکنوں نے اپنی کارروائیاں جاری کر دیں۔ چنانچہ ایک شخص قبیلہ حمیر کا کوفہ میں اور ایک شخص بنی قین میں سے بصرہ میں پکڑا گیا۔ یہ دونوں اس مقصد سے آئے تھے کہ یہاں کے حالات سے دمشق میں اطلاع دیں اور فضا کو امام حسنؑ کے خلاف ناخوشگوار بنائیں۔ غنیمت ہوئی کہ اس کا انکشاف ہو گیا۔ حمیری [illegible] ایک قصاب کے گھر سے اور قینی [illegible] آدمی بصرہ میں بنی سلیم کے یہاں سے گرفتار کیا گیا اور دونوں کو جرم کی سزا دی گئی۔ اس واقعہ کے بعد حضرت امام حسنؑ نے معاویہ کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ تم اپنی دراندازیوں سے باز نہیں آتے۔ تم نے لوگ بھیجے ہیں کہ میرے ملک میں انقلابات پیدا کرائیں اور اپنے جاسوس یہاں پھیلا دیئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم جنگ کے خواہشمند ہو۔ ایسا ہے تو پھر تیار رہو۔ یہ منزل کچھ دور نہیں۔ مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے میرے باپ کی وفات پر طعن و تشنیع کے الفاظ کہے۔ یہ ہرگز کسی ذی ہوش آدمی کا کام نہیں ہے۔ موت سب کے لئے ہے۔ آج ہمیں اس حادثہ سے دوچار ہونا پڑا تو کل تمہیں ہوگا اور حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے مرنے والے کو مرنے والا سمجھتے نہیں۔ وہ تو ایسا ہے جیسے ایک منزل سے منتقل ہو کر اپنی دوسری منزل میں جا کر آرام کی نیند سو جائے۔

اس خط کے بعد امیر شام اور امام حسنؑ کے درمیان بہت سے خطوط کی رد و بدل ہوئی۔ امیر شام کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ سے اہل کوفہ کے باہمی تفرقہ اور بد دلی اور عملی کمزوریوں کا علم ہو گیا۔ اس لئے وہ سمجھے کہ یہی موقع ہے کہ عراق پر حملہ کر دیا جائے چنانچہ وہ اپنی فوجوں کو لے کر عراق کے حدود تک پہنچ گئے۔ اس وقت حضرت امام حسنؑ نے بھی مقابلہ کی تیاری کی۔ اور حجر ابن عدی کو بھیجا کہ وہ دورہ کر کے اطراف ملک کے حکام کو مقابلے

ادھر سے دوڑ پڑے اور لوگوں کو آپ سے دور کیا۔ آپ یہاں سے مدائن کی طرف روانہ ہوئے
مگر جراح ابن قبیصہ اسدی ایک شخص ان ہی خوارج میں سے کمین گاہ میں چھپ گیا اور اس نے
آپ پر خنجر سے حملہ کیا جس سے آپ کی ران زخمی ہو گئی۔ حملہ آور گرفتار کیا گیا اور اسے سزا دی
گئی۔ عرصہ تک مدائن میں علاج ہونے کے بعد آپ اچھے ہوئے اور پھر معاویہ کی فوج سے مقابلہ
کی تیاری کی۔

صلح

امیر شام کو حضرت امام حسن علیہ السلام کی فوج کی حالت اور لوگوں کی بے وفائی کا حال
معلوم ہو چکا تھا اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ امام حسن علیہ السلام کے لیے جنگ کرنا ممکن
نہیں ہے مگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ حضرت امام حسنؑ کتنے ہی بے بس اور بے کس
ہوں مگر وہ علیؑ و فاطمہؑ کے بیٹے اور پیغمبرؐ کے نواسے ہیں اس لیے وہ ایسے شرائط پر ہرگز صلح نہ کریں گے
جو حق پرستی کے خلاف ہوں اور جن سے باطل کی حمایت ہوتی ہو۔ اس کو نظر میں رکھتے ہوئے انھوں نے
ایک طرف تو آپ کے ساتھیوں کو عبداللہ ابن عامر کے ذریعہ سے یہ پیغام دلوایا کہ اپنی جان کے
پیچھے نہ پڑو اور خونریزی نہ ہونے دو۔ اس سلسلہ میں کچھ لوگوں کو رشوتیں بھی دی گئیں اور کچھ
بزدلوں کو اپنی تعداد کی زیادتی سے خوف زدہ کیا گیا اور دوسری طرف حضرت امام حسنؑ کے پاس
پیغام بھیجا کہ آپ جن شرائط پر پسند فرمائیں انہی شرائط پر میں صلح کے لیے تیار ہوں۔

امام حسن علیہ السلام یقیناً اپنے ساتھیوں کی غداری کو دیکھتے ہوئے جنگ کرنا مناسب
نہ سمجھتے تھے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ ضرور پیش نظر تھا کہ ایسی صورت پیدا ہو کہ باطل کی تقویت
کا دھبہ میرے دامن پر نہ آنے پائے۔ اس گھرانے کو حکومت و اقتدار کی ہوس تو کبھی تھی ہی نہیں
انھیں تو مطلب اس سے تھا کہ مخلوقِ خدا کی بہتری ہو اور حدود و حقوق الٰہی کا اجرا ہو۔ اب امیر معاویہ
نے جو آپ سے منھ مانگے شرائط پر صلح کرنے کے لیے آمادگی ظاہر کی تو اب مصالحت سے انکار
کرنا شخصی اقتدار کی خواہش کے علاوہ اور کچھ نہیں قرار پا سکتا تھا۔ یہ کہ امیر شام صلح کے شرائط پر
عمل نہ کریں گے بعد کی بات تھی۔ جب تک صلح نہ ہوتی یہ انجام سامنے آ کہاں سکتا تھا اور

حجت تمام کیونکر ہو سکتی تھی، پھر بھی آخری جواب دینے سے قبل آپ نے ساتھ والوں کو جمع کیا اور تقریر فرمائی "آگاہ رہو کہ ہم میں دو خونریز لڑائیاں ہو چکی ہیں جن میں بہت لوگ قتل ہوئے کچھ مقتول صفین میں ہوئے جن کے لیے آج تک رو رہے ہو اور کچھ مقتول نہروان کے جن کا معاوضہ طلب کر رہے ہو۔ اب اگر تم موت پر راضی ہو تو ہم اس پیغام صلح کو قبول نہ کریں اور ان سے اللہ کے بھروسے پر تلوار سے فیصلہ کرائیں اور اگر زندگی کو دوست رکھتے ہو تو ہم اسے قبول کر لیں اور تمہاری مرضی پر عمل کریں۔" جواب میں لوگوں نے ہر طرف سے پکارنا شروع کیا کہ ہم زندگی چاہتے ہیں، ہم زندگی چاہتے ہیں، آپ صلح کر لیجیے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ آپ نے صلح کے شرائط مرتب کر کے معاویہ کے پاس روانہ کیے۔

شرائط صلح

اس صلح نامہ کے مکمل شرائط حسب ذیل تھے:-

(۱) یہ کہ معاویہ حکومت اسلام میں کتاب خدا اور سنت رسول پر عمل کریں گے۔

(۲) یہ کہ معاویہ کو اپنے بعد کسی خلیفہ کے نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔

(۳) یہ کہ شام و عراق و حجاز و یمن سب جگہ کے لوگوں کے لیے امان ہوگی۔

(۴) یہ کہ حضرت علیؑ کے اصحاب اور شیعہ جہاں بھی ہیں ان کے جان و مال اور ناموس و اولاد محفوظ رہیں گے۔

(۵) معاویہ حسن ابن علیؑ اور ان کے بھائی حسین ابن علیؑ اور خاندان رسول میں سے کسی کو بھی کوئی نقصان پہنچانے یا ہلاک کرنے کی کوشش نہ کریں گے نہ خفیہ طریقہ پر اور نہ علانیہ۔ اور ان میں سے کسی کو کسی جگہ دھمکایا اور ڈرایا نہیں جائے گا۔

(۶) جناب امیر علیہ السلام کی شان میں کلمات نازیبا جو اب تک مسجد جامع اور قنوت نماز میں استعمال ہوتے رہے ہیں وہ ترک کر دیے جائیں۔ آخری شرط کی منظوری میں معاویہ کو عذر ہوا تو یہ طے پایا کہ کم از کم جس موقع پر امام حسن علیہ السلام موجود ہوں اس موقع پر ایسا نہ کیا جائے۔ یہ معاہدہ ربیع الاول یا جمادی الاول ۴۱ھ کو عمل میں آیا۔

بھی عرب میں مشہور تھی۔ آپ نے تین مرتبہ اپنا تمام مال راہ خدا میں لٹا دیا اور دو مرتبہ تمام اپنی ملکیت یہاں تک کہ اثاث البیت اور لباس تک کو آدھوں آدھ راہ خدا میں دے دیا۔

سائلوں کو ایک ایک وقت میں ہزاروں ہزار روپے دے دیتے تھے اور حقیقت میں سخاوت کے ساتھ شرائط صلح میں جو بہت سے مورخین کے بیان کے مطابق ایک خاص مد رقم کی شرط ملتی ہے کہ معاویہ کی جانب سے ہر سال امام حسن علیہ السلام کے پاس روانہ کی جایا کرے گی، اگر صحیح ہو تو اس کا مقصد صرف یہی ہوگا کہ اس ذریعہ سے مسلمانوں کے بیت المال کا کچھ روپیہ حقداروں تک پہنچ سکے۔ ورنہ اپنی ذات پر صرف کرنے کے لئے آپ نے اس رقم کی شرط قرار نہیں دی تھی۔ چنانچہ جو کچھ پاس موجود ہوتا تھا چاہے اس سے زیادہ رقم کیوں نہ ہو آپ فوراً سائلوں کو عطا فرما دیتے تھے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ باوجودیکہ آپ خود ضرورت مند ہیں پھر بھی کیا بات ہے کہ سائل کو کبھی نہیں پھیراتے؟ آپ نے فرمایا "میں خود خدا کی بارگاہ کا سائل ہوں، مجھے شرم آتی ہے کہ خود سائل ہوتے ہوئے دوسرے سائلوں کے سوال کو رد کر دوں۔ اس صورت میں مجھے کیا حق ہوگا کہ میں خدا سے اپنے سوال کے پورا ہونے کی تمنا رکھوں۔"

اس کے ساتھ آپ کے علمی کمالات بھی ایسے تھے جن کے سامنے دنیا سر خم کرتی تھی۔ اگرچہ عبداللہ ابن عباس امیر المومنینؑ سے حاصل کئے ہوئے علوم سے دنیائے علم میں اپنا ڈنکا بجا رہے تھے مگر جب امام حسن علیہ السلام کے خداداد علم کا سامنا ہو جاتا تھا تو خاندان رسالت کی بزرگی کا دنیا کو اقرار کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ ایک سائل نے مسجد نبویؐ میں آ کر ایک آیت کی تفسیر ابن عباس سے بھی پوچھی، عبداللہ ابن عمر سے بھی پوچھی اور پھر امام حسن علیہ السلام سے دریافت کی اور آخر میں اس نے اقرار کیا کہ امام حسن علیہ السلام کا جواب یقیناً ان دونوں سے بہتر تھا۔ الغرض آپ نے اپنے دشمن معاویہ کے دربار اور دنیا کے مخالف ماحول میں

فضائلِ اہلبیتؑ اور مناقب امیر المومنینؑ پر ایسی موثر تقریریں فرمائی ہیں کہ دشمنوں کے سر جھک گئے اور آپ کی فصاحت و بلاغت اور حقانیت کا ان کے دلوں پر سکہ قائم ہو گیا۔

عبادت بھی آپ کی امتیازی حیثیت رکھتی تھی، بیس یا پچیس حج پاپیادہ کئے۔ جب موت، قبر، قیامت اور صراط کو یاد فرماتے تھے تو رونے لگتے تھے، جب بارگاہ الٰہی میں اعمال کے پیش ہونے کا خیال آتا تھا تو ایک نعرہ مار کر بیہوش ہو جاتے تھے اور جب نماز کو کھڑے ہوتے تھے تو جسم لرزنے لگتا تھا۔

وفات

اس بے ضرر اور خاموش زندگی کے باوجود بھی امام حسن علیہ السلام کے خلاف وہ خاموش حربہ استعمال کیا گیا جو سلطنت بنی امیہ میں اکثر صرف کیا جاتا رہا تھا۔ امیر شام نے اشعث ابن قیس کی بیٹی جعدہ کے ساتھ جو حضرت امام حسن علیہ السلام کی زوجیت میں تھی ساز باز کر کے ایک لاکھ درہم انعام اور اپنے فرزند یزید کے ساتھ شادی کا وعدہ کیا اور اس کے ذریعہ سے حضرت کو زہر دلوایا۔ امام حسنؑ کے کلیجے کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور حالت خراب ہوئی۔ آپ نے اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کو پاس بلایا۔ اور وصیت کی کہ اگر ممکن ہو تو مجھے جد بزرگوار رسول خدا کے جوار میں دفن کرنا لیکن اگر مزاحمت ہو تو ایک قطرہ خون گرنے نہ پائے۔ میرے جنازے کو واپس لے آنا اور جنت البقیع میں دفن کرنا۔ ۲۸ صفر ۵۰ھ کو امام حسن علیہ السلام دنیا سے رخصت ہو گئے۔

حسینؑ حسب وصیت بھائی کا جنازہ روضۂ رسولؐ کی طرف لے گئے مگر جیسا کہ امام حسن علیہ السلام کو اندیشہ تھا وہی ہوا۔ ام المومنین عائشہ اور مروان وغیرہ نے مخالفت کی نوبت یہ پہنچی کہ مخالف جماعت نے تیروں کی بارش کر دی اور کچھ تیر جنازہ امام حسن علیہ السلام تک پہنچے۔ بنی ہاشم کے اشتعال کی کوئی انتہا نہ تھی۔ مگر امام حسین علیہ السلام نے بھائی کی وصیت پر عمل کیا۔ اور امام حسن علیہ السلام کا تابوت واپس لا کر جنت البقیع میں دفن کر دیا۔

پبلشر

سید آفاق حسین رضوی

آنریری سکریٹری

امامیہ مشن

لکھنؤ

مطبوعہ

یوسفی پریس لکھنؤ

سالِ نشر ۱۰۳

امامیہ مشن، لکھنؤ